# تبصرہ وتقریظ نگاری پر ایک نظر

مولوی محمد جمیل

متخصص فی علوم الحدیث، بنوری ٹاؤن کراچی

تحریر وتصنیف تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف سانچوں میں ڈھلتا رہا ہے، ایک وقت تھا کہ چمڑے کے ٹکڑوں، ہڈیوں اور کھجور کی چھالوں پر تحریر لکھی جاتی تھی، چنانچہ تصنیف محض جمع ووضع کا نام تھا، تدوین وترتیب کے مستقل اصول موجود نہ تھے، موجودہ دور میں رموز تحریر فنی اور تحقیقی اعتبار سے تہذیب وتنقیح کے آسمان عروج کو چھو چکا ہے، چنانچہ یہ بات مسلّم ہے کہ متقدمین کے ہاں آزاد تحریروں میں عموماً ابہام کی جن مشکل صورتوں سے قاری کو دوچار ہونا پڑتا تھا، زمانہ کی تیز رفتاری اور سہولت پسندی کے تقاضے کافی حد تک ان مشکلات کو تحلیل کر چکے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن مضامین کو زمانہ قدیم میں محض چند سطور میں ادا کر دیا جاتا تھا اب انتہائی بسط ووسعت کے ساتھ کئی کئی صفحات بھی کما حقہ اس کی وضاحت نہیں کر پاتے۔ پھر تالیف کتاب بھی ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر گئی ہے جو ذیلی طور پر بے شمار جزئیات کا مرقع ہوتی ہے۔ خطۃ البحث سے لے کر خاتمۃ الکتاب اور وضع فہارس تک اور تقدمۃ الکتاب، مقدمۃ الناشر، مقدمۃ المحقق، مقدمۃ المصنف، تبصرۃ المعاصرین، نقد بر کتاب، تحقیق کتاب، تخریج کتاب، تعارف کتاب، تقریظ کتاب نثر یا شعر کی صورت میں، اسی طرح 'پسند فرمودہ'، 'عرض حال' یا 'بدعاء فلاں' جیسے بے شمار عنوانات، عربی، فارسی اور اردو کی حالیہ کتب میں ہر پڑھنے والے کی نظر سے ضرور گزرتے ہیں، زیر نظر مضمون میں ''تقریظ الکتاب'' سے متعلق چند اہم مباحث پیش خدمت ہیں:

## لفظ تقریظ کی حقیقت:

یہ تقریظ الادیم سے ماخوذ ہے، یعنی کھال کی دباغت (صفائی) میں حد درجہ مبالغہ کرنا اور تقریظ الکتاب کا معنی ہے: ''صاحب کتاب اور مواد کتاب کی خوبیاں بیان کرنا یہاں تک کہ اس میں مبالغہ پیدا ہو جائے''، چنانچہ کہا جاتا ہے: "قرّظ الرجلَ: أی مدحه و أثنی علیه، والتقریظ مدح الإنسان وهو حی"، اس کی ضد تأبین ہے:

"إذا مدحه ميتا"، یعنی مرنے کے بعد کسی کی توصیف بیان کرنا، ابوزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فلان يقرظ صاحبه: إذا مدحه بباطل أو حق.

لفظ تقریض جو ضاد کے ساتھ ہے مشترک لفظ ہے، مدح اور ذم دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: قد قرضه: إذا مدحه أو ذمه (لسان العرب بتغیر ما، ۱۱/ ۱۱۸، مادہ قرظ، دار احیاء التراث)۔

## تقریظ کا اصطلاحی معنی:

دکتور محمد التونجی تقریظ کا اصطلاحی معنی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "سبغ الثناء على ادبي او غير ادبي او مدح لشخص على ما قام به امام حشد من الحضور"

"کسی ادبی یا غیر ادبی کارنامے پر کسی کی تعریف میں حد درجہ مبالغہ کرنا یا جم غفیر کے روبرو کسی کی بہترین کارکردگی پر اس کو سراہنا تقریظ کہلاتا ہے"۔ (المعجم المفصل، ۱/ ۲۷۳)۔

## تقریظ کی اقسام:

متاخرین کے ہاں تقریظ الکتاب کی بنیادی تین قسمیں ہیں:

۱۔ تقریظ الکتاب بمدح المؤلف: اس قسم کی تقریظ میں صاحب کتاب کی علمی شان اور عظمت کو بیان کرنے کے ساتھ ضمنی طور پر کتاب کے محاسن اور خصوصیات کو ذکر کیا جاتا ہے، معائب کو ذکر کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے، لیکن اہل تحقیق کے ہاں اس قسم کی تقریظ قابل تعریف نہیں ہے۔

۲۔ تقریظ بطرز مقدمۃ المؤلف: کتاب کی ابتدا میں ایک طویل مقدمہ ذکر کرنا جس میں کتاب سے متعلق اہم نکات اور موضوع و اغراض کتاب سے متعلق اہم عرض داشت پیش کی جائیں، اس قسم کی تقریظ طوالت کی بنیاد پر مقدمہ کتاب کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

۳۔ تقریظ مترجم و محقق و شارح، قائم مقام مقدمۃ الکتاب: اس قسم کا مقدمہ عموما کسی کتاب کی تشریح، تحقیق یا ترجمہ کرتے وقت شارح کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے، جس میں کتاب کی خصوصیات اور مدح شامل ہوتی ہے۔ (دانش نامہ بزرگ اسلامی، مرکز دائرہ اسلامی، برگرفتہ از مقالہ "تقریظ"، ۱۴/ ۶۰۳۱)

تقریظ کی ضد تنقید ہے۔

تنقید کا مفہوم: تنقید نقد سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا اور اصطلاحا کسی تعلیمی یا علمی مسئلے یا کتاب پر اس انداز سے غور کرنا کہ اس کتاب کے قوی اور کمزور پہلو نمایاں ہو جائیں۔ (اصول تحقیق: ۹۲، مع

الاضافة والترميم)

**تقریظ اور تنقید میں فرق:** تقریظ میں بنیادی طور پر کسی کتاب اور صاحب کتاب کے محاسن بیان کیے جاتے ہیں اور معائب کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے، جب کہ تنقید میں مقصود معائب کا ذکر ہوتا ہے۔(لغۃ العرب: انستاس ماری کرملی،۱۴۱،۵۰،بتغیر ما،بغداد)

**تنقید کی نشأۃ:** ویسے تو نفس تنقید کی بنیاد خیر القرون میں بھی ملتی ہے جس کو محدثین جرح سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن باقاعدہ تنقید کتاب کے لیے بنیادی ماخذ درج ذیل ہے:

۱......**صحیفہ یرموکیہ:** جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ہاتھ لگا تھا، لیکن چونکہ اس کا حوالہ مستند نہیں تھا، اس لیے تابعین نے اس پر اعتماد نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: رابعها: أن عبد الله كان قد ظفر في الشام بحمل حمل من كتب أهل الكتاب فكان ينظر فيها ويحدث منها فتجنب الأخذ عنه لذلك كثير من أئمة التابعين والله أعلم.

اسماء المدلسین، مؤلفہ: شیخ حسن بن علی الکرابیسی، المتوفی ۲۴۵ھ، تدلیس فی الحدیث کے موضوع پر لکھی جانے والی سولہ مشہور کتب میں سے تاریخی اعتبار سے پہلی باضابطہ کتاب ہے، چونکہ مذکورہ کتاب میں علامہ کرابیسی نے بعض کبار تابعین پر نقد کیا تھا، اس لیے کتاب علماء کرام کے ہاں قابل نقض قرار پائی، حافظ ابن رجب حنبلی (المتوفی: ۷۹۵ھ) شرح علل ترمذی میں اس کے متعلق رقم طراز ہیں: وقد تسلط كثيرون ممن يطعن في أهل الحديث عليهم بذكر شيء من هذه العلل، آگے فرماتے ہیں: قد ذكر كتابه للإمام أحمد فذمه ذما شديدا، وكذلك أنكره عليه أبو ثور وغيره من العلماء، (شرح علل ترمذی: ۸۹۳/۲،۸۹۴)

یعنی علامہ کرابیسیؒ نے اپنی کتاب میں محدثین ثقات پر طعن کیا تھا اور جب کسی مجلس میں امام احمد کے ہاں اس کتاب کا تذکرہ کیا گیا تو امام احمدؒ نے اس پر شدید تنقید کی، اسی طرح ابوثور اور دیگر علماء کے ہاں بھی یہ موجب نقد قرار پائی۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کتب تحقیقیہ پر نقد کرنے کا رواج خیر القرون میں عام تھا۔

**تقریظ کی نشأۃ اور ارتقاء:** درایۃ الحدیث کے اس اصول کے تحت کہ ہر وہ چیز جس کی اصل اور سند نہ ہو وہ ناقص شمار ہوتی ہے (معرفۃ الحدیث: ٦)،

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تقریظ کی کوئی معتبر اصل واساس ہے یا نہیں، دور حاضر میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ تقریظ اہل عجم کی بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے، جو خارج از کار وامور زائدہ میں سے ہے، لہذا التقریظ

کتاب کے لیے مشائخ واکابر کو آمادہ کرنا اہل علم کی شان نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تلاش وتفحص کے بعد کئی ایسے شواہد سامنے آئے ہیں جو تقریظ کتاب کے لیے کم از کم اصل کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں، ذیل میں اس قسم کے چند شواہد پیش خدمت ہیں:

۱.....ظالم بن عمرو أبوالأسود الدؤلی، المتوفی ۶۹ھ، ان کے متعلق امام احمد العجلی (۲۶۲ھ) کتاب الثقات میں لکھتے ہیں: وهو أول من تكلم في النحو۔ (الثقات: ۸۰۴)

حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) نے تاریخ اسلام اور ابن ندیم نے الفہرست میں کئی ایک مسند روایتیں ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم النحو کی باقاعدہ تدوین بھی انہوں کی، حافظ ذہبی فرماتے ہیں: وقد أمره علي بوضع النحو، اگلے صفحات میں حافظ ذہبی نے وہ بات ذکر کی ہے جو ہمارا مقصود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: فلما أراه أبو الأسود ماوضع، قال: ما أحسن هذا النحو الذي نحوت ومن ثم سمي النحو نحوا۔ (تاریخ اسلام:۲،۷۳۵، دارالغرب)

مندرجہ بالا عبارت کے پیش نظر بطور دلیل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابوالأسود الدؤلی کے مدون کردہ نحوی کتابچہ کو دیکھنے کے بعد حضرت علی نے اس کی مدح وتحسین فرمائی، اگر تقریظ مؤلف اور مؤلف کی خوبی بیان کرنے کا نام ہے تو یہاں دونوں وصف موجود ہیں، تبھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کیا ہی شاہکار طریقہ ہے، چنانچہ یہ حسن تالیف کی طرف اشارہ ہے، پھر فرمایا: الذي نحوت، یعنی جس کا ارادہ آپ نے کیا ہے، گویا کہ صاحب تالیف کے کمال کی گواہی ہے، مذکورہ بالا دلیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خیر القرون میں اگرچہ مروجہ تقریظ کتاب کا وجود نہیں، لیکن کم از کم تقریظ کے لیے اصل کا پتہ چلتا ہے، جس کی بنیاد پر بعض الناس کا تقریظ کے متعلق یہ دعوی کہ یہ بھی اہل عجم خود ساختگی ہے، قابل التفات نہیں۔

۲.....امام مالک نے مؤطا کی تصنیف سے فراغت کے بعد اس کی اشاعت عام سے پہلے علما ئمدینہ کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے اپنی کتاب کو ان کے سامنے پیش کیا، چنانچہ سب نے اس کی تحسین کی، علامہ زرقانی اس کو یوں لکھتے ہیں: وروى أبو الحسن بن فهر عن علي بن أحمد الخلنجي: سمعت بعض المشايخ يقول: قال مالك: عرضت كتابي هذا على سبعين فقيها من فقهاالمدينة فكلهم واطأني، فسميته الموطأ۔ (زرقانی:۱/۶۲، مکتبۃ الثقافیۃ)

مذکورہ عبارت اگرچہ تقریظ الکتاب یا تقدیم الکتاب کے لیے تصریح نہیں بن سکتی، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ خیر القرون میں مرتب کیا جانے والا حدیث کا صحیح ترین ذخیرہ اور مجموعہ کے مؤلف نے کتاب کے متعلق ارباب علم کی

رائے جاننے کے لیے ان کی خدمت میں کتاب پیش کی، تو سب نے اس کی توثیق اور تحسین کی۔

**آداب وشرائط تقریظ:**

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ المتوفی ۱۴۲۹ھ تقریظ وتقدیم کی اہمیت ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكذلك تقديم كتاب لمؤلف معاصر أو عالم كبير أو صديق عزيز ليس عملا تقليديا يقوم به الكاتب أو تحقيقا لرغبة المؤلف أو الناشر أو إرضائه، إنه شهادة و تزكية و لهما أحكامهما و آدابهما و مسؤولياتهما.

یعنی (جاننا چاہیے کہ) کسی ہم عصر مؤلف یا کسی بڑے عالم یا کسی عزیز دوست کی تصنیف پر تقدیم کے کلمات لکھتے وقت ایسا رویہ ظاہر کرنا جو ظاہری رکھ رکھاؤ یا مؤلف وناشر کی خواہش کی تکمیل یا اس کی رضامندی کا پیش خیمہ ہو (مناسب نہیں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تقدیم لکھنا ایک مستقل گواہی اور شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ اس کے اپنے احکام، آداب اور کچھ ذمہ داریاں ہیں، اس کے بعد حضرت نے تفصیل کے ساتھ تقدیم کے آداب وشرائط کو ذکر کیا ہے، (تقریظ وتقدیم کے ایک ہونے یا نہ ہونے سے متعلق تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے) ذیل میں ہم درجہ بدرجہ ان کو ذکر کرتے ہیں:

۱.....شهادة بالحق: یعنی تقریظ نگار کو چاہیے کہ کتاب میں موجودہ مصدقہ مواد کی گواہی دے، گویا کہ مقدم کی حیثیت ایک گواہ کی ہوتی ہیں۔

۲.....تقويم للكتاب تقويما علميا: یعنی مقدم علمی ناقد کی حیثیت سے کتاب کا علمی جائزہ لیتے ہوئے اس کی نوک پلک کو درست کردے، جس کو علمی اصطلاح میں تصحیح الکتاب کا عمل بھی کہا جاتا ہے۔

۳.....بيان مكانته فيما كتب و ألف في موضوعه: یعنی مقدم صاحب کتاب کے اختیار کردہ موضوع سے متعلق مؤلف کی حیثیت اور واقفیت کو نمایاں کرے۔

۴.....ومدى مجهود المؤلف في إخراج هذا الكتاب: اس بات کی بھی وضاحت کردے کہ مواد کتاب کی تخریج میں صاحب کتاب کی کوششوں کی حدود کیا ہیں؟

۵.....ونجاحه في عمله التأليفي أو التحقيقي: نیز اس بات کی تصریح کرے کہ صاحب کتاب کو اپنے موضوع کی تحلیل میں کس قدر کامیابی ہوئی؟

اس کے بعد آگے چل کر حضرت لکھتے ہیں:

۶.....ولابد في التقديم من زيادة معلومات و إلقاء أضواء على موضوع الكتاب و مقاصده و على حياة المؤلف و مكانته بين العلماء المعاصرين في عصره و مصره: یعنی مقدم اگر

موضوع سے متعلق مفید معلومات بہم رکھتا ہو تو افادہ عام کے لیے اس کو مستقل عنوان کے تحت تقریظ کا حصہ بنادے، نیز مزید یہ ہے کہ موضوع کتاب اور مقاصد کی بقدر ضرورت تصریح کردے، نیز مؤلف کتاب کی عام زندگی اور مصروفیات پر روشنی ڈالے، اور معاصرین اور اہل بلد کے ہاں صاحب کتاب کے علمی مقام اور شخصیت کو اجاگر کردے۔ مزید فرماتے ہیں:

۷.....وعلى تكوينه العقلي و نشوله العلمي و الدوافع التي دفعته إلى التاليف في هذا الموضوع رغم وجود مكتبة واسعة في موضوعه أو مجموعة من الكتب التي ألفت في هذا الموضوع: اس کے ساتھ تقریظ کی اہم ذمہ داری صاحب کتاب کے انداز فکر اور عقلی میلانات کے متعلق اس کی رائے کی نشاندہی کرنا ہے اور نیز اس ماحول کی وضاحت کرے جس میں مصنف کی علمی نشو ونما ہوئی، پھر یہ بھی بتائے کہ اگر اس موضوع پر پہلے سے کثیر مواد موجود تھا تو وہ کونسے اسباب تھے جس نے مصنف کو اس موضوع سے متعلق مزید عمل پر ابھارا۔

۸.....ولا بد من أن تكون بين المقدم للكتاب و بين موضوعه صلة علمية أو ذوقية أو دراسة وافية للموضوع و ما ألف فيه: یعنی اس کے ساتھ خود مقدمہ لکھنے والے کے لیے اہم شرط یہ ہے کہ پیش نظر کتاب کے موضوع سے اس کا خاص علمی ربط ہو، یا اس موضوع کا ذوق رکھتا ہو یا مذکورہ موضوع پر تحقیق وتالیف رکھتا ہو۔

۹.....وارتباط وثيق كذلك بينه و بين المؤلف يمكنه من الا طلاع على تركيبه العقلي والعملي و العاطفي إذا كان الكتاب في موضوع علمي أو أدبي أو فكري أو دعوة: اسی طرح صاحب کتاب اور تقریظ لکھنے والے کے درمیان باہمی علمی رشتہ ہو جس کی بنیاد پر تقریظ لکھنے والا مؤلف کتاب کے مکتبہ فکر، علمی منہج اور نظریاتی میلانات کے ساخت وپرداخت کو جانتا ہو، خاص طور پر پیش نظر کتاب کسی علمی یا ادبی یا فکری یا کسی مصنف کی خاص رائے سے متعلق موضوع کے قبیل سے ہو۔

۱۰..... وعلى مدى إخلاصه لموضوعه واختصاصه و تفانيه فيه و رسوخه في العلم و الدين و أحدهما من اصحاب الاختصاص فيه المعترف بفضلهم إذا كان الكتاب في موضوع ديني كالتفسير و الحديث و الفقه و ما إلى ذلك: اور اگر موضوع کتاب خاص دینی ہو جیسے تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تو پھر مقدم کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس بات کی بھی تصریح کرے کہ صاحب کتاب اس موضوع میں کتنا مخلص ہے اور موضوع میں اختصاص کے ساتھ ساتھ رسوخ فی العلم والدین اور ایسے شیوخ کا ہونا بھی شرط ہے جو اس مذکورہ فن میں

اختصاص کا مقام رکھتے ہوں۔

۱۱.....ویجب أن یکون هذا التقدیم عن الدفاع و تحاوب و تحقیق لرغبة نشأت فی نفس المقدم بعد قراءة هذا الکتاب تحضه علی کتابة هذا التقدیم و تحببت إلیه المهمة و تیسرها له بحیث إذا امتنع عنها اعتبر نفسه مقصرا فی أداء حق و إبداء مشاعر و انطباعات: آخری شرط کے طور پر فرماتے ہیں کہ: ''صاحب تقدیم کتاب کو پڑھ لینے کے بعد مقدمہ لکھنے کو اپنی ذمہ داری سمجھے، چنانچہ مہمات کی وضاحت کرے اور تقدیم نہ لکھنے کی صورت میں اپنے آپ کو علمی حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا سمجھے۔''

مزید فرماتے ہیں: وقد یتحول من شهادة بالحق إلی سمسرة تجاریة أو قصیدة مدح فیفقد قیمته العملیة و الأدبیة و یتجرد من الحیاة و الروح: یعنی.....''کبھی کبھار تقدیم وتقریظ کے ذریعے حق گواہی ادا کرنے کے بجائے تجارت اور باہمی لین دین کی شکل اختیار کی جاتی ہے، چنانچہ کتاب کی علمی اور ادبی اہمیت گراوٹ کا شکار ہوجاتی ہے اور کتاب کی روح جاتی رہتی ہے۔''

راقم السطور کہتا ہے خارج میں اس کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں کہ مقدم نے صرف صاحب کتاب کی ستائش کی خاطر مختصر یا طویل مدحیہ کلمات لکھ دیے، حالانکہ اصل کتاب جاندار تھی، لیکن کما حقہ تقریظ یا تقدیم نہ لکھنے کے نتیجے میں اس کی حیثیت گم ہوکر رہ گئی، یا کتاب بے جان تھی لیکن محض شہرت یا مالی نفع کے حصول کی خاطر مقرظ نے کتاب کے متعلق بے تحقیق آسمان وزمین کے قلابے ملائے کہ: وأخفی حاجة فی نفس یعقوب ما قضاها، اسی کی توضیح کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں: ولا یکون التقدیم مجموع کلمات تقریظ و مدح یمکن أن یحلی به جید أی کتاب إذا غیر اسمه و اسم مؤلفه.

یعنی تقدیم صرف ایسے مدحیہ بے سروپا کلمات پر مشتمل نہ ہو کہ اگر تقریظ سے موضوع کتاب اور صاحب کتاب کا نام ہٹادیا جائے تو وہ عامۃ الاستعمال بن جائیں۔ (شخصیات وکتب: ۹، ۱۰، دار القلم)

مندرجہ بالا تمام شرائط وآداب بظاہر حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ نے تقدیم کتاب کے لیے ذکر کیے ہیں، اس میں تقریظ کتاب کے حوالہ سے کوئی خاص بات موجود نہیں ہیں، البتہ اس بابت چند گذارشات ذکر کرنا ضروری ہے:

۱.....: متقدمین کے ہاں تقدیم کتاب اور تقریظ کتاب دو الگ الگ اصطلاحات ہیں، اس حوالہ سے تفصیل انشاء اللہ آگے ذکر کی جائیگی۔

۲.....: متاخرین کے ہاں عموماً صاحب کتاب کی ستائش اور کتاب کے امتیازات وخصائص کو مختصر طور پر

بیان کرنے کا نام تقریظ ہے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا، البتہ اس اختصار کے باوجود متاخرین کے ہاں اس پر تقدیم کتاب کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبداللہ احمد الیوسف اس بارے لکھتے ہیں: و قد درج بعض العلماء المعاصرين على استخدام كلمة (التقديم) بدلا من تقريظ و هي تعطي نفس الدلالة۔ (فن صناعة التقريظ: ۱۹)

یعنی بعض ہم عصر علماء نے تقدیم کتاب کی اصطلاح کو تقریظ کتاب کی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کلمات تقدیم، اصطلاح تقریظ کا معنی ادا کر سکتے ہیں۔

۳: کبھی کبھار تقریظ کتاب موضوع سے متعلق جاندار مباحث اور تفصیلات کے باعث خاص منہج اختیار کر لیتی ہے، شیخ عبداللہ احمد الیوسف اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وربما تقويما للكتاب و مؤلفه كما يفضل بعض المقرظين إعطاء رؤيته الخاصة حول موضوع الكتاب ، و هو الأمر الذي يثري البحث الذي يتناوله المؤلف في كتابه.

یعنی کبھی کبھار تقریظ کتاب میں کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق بعض اصلاحی امور پر مشتمل مباحث کو ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے کے بعض تقریظ لکھنے والوں نے کتاب کے موضوع سے متعلق دوران تقریظ اہم فکری مواد فراہم کیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو صاحب کتاب کے ذکر کردہ معلومات پر مزید مباحث اور اضافہ فراہم کرتی ہے، شیخ صاحب کی مذکورہ عبارت اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی گذشتہ شرائط پر غور کرنے سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ تقریظ محض مدح وستائش کا نام ہے، لیکن یہ مدح بھرپور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کی جائے، نیز کتاب، صاحب کتاب اور موضوع کتاب سے متعلق مفید اضافات تقریظ کو تقدیم میں بدل دیتی ہے۔

تقریظ اور تقدیم میں فرق:

متقدمین کے ہاں تقریظ اور تقدیم میں کئی وجوہ سے فرق کیا جاتا ہے:

۱.....تقریظ میں اختصار مدنظر ہوتا تھا۔

۲.....تقریظ کی تنسیخ مقفی اور مشکل الفاظ پر ہوتی تھی، شیخ عبداللہ احمد الیوسف فرماتے ہیں:

وقد شهدت صناعة التقريظ الكثير من التطوير و الإبداع ، ففي حين كانت مختصرة جدا وتصاغ بألفاظ صعبة اعتاد الأقدمون على استعمالها.

چنانچہ متقدمین کے ہاں تقریظ کا استعمال سب سے زیادہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں ملتا ہے اور اس میں اختصار کے ساتھ لفاظی اور رعایت تقفیہ خاص طور پر پایا جاتا ہے۔

ذیل میں اجمالاً اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱......ابوعبداللہ محمد بن محمد العلاء البخاری (التوفی ۸۴۱ھ)، جنہوں نے امام ابن تیمیہؒ کو کافر، بلکہ جس شخص نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہا ان کے بقول وہ بھی کافر ہے، ان کے اس نامناسب نظریہ کی تردید منجملہ دیگر علماء کے امام محمد بن عبداللہ بن محمد بن ناصر الدین الدمشقی نے بھی کی، چنانچہ انہوں نے مشہور زمانہ کتاب الــرد الــوافــر تصنیف فرمائی اور ایک جماعت کثیرہ نے اس پر تقریظ لکھی، اس کے متعلق علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

وقد قرظ هذا الكتاب غير العيني جماعة من العلماء، منهم ابن حجر و البلقيني و التفهني و البساطي و المحب بن نصر الله و خلق۔ (الضوء اللامع: ۸/۱۰۴)

گویا کہ ائمہ و مشائخ کی ایک بڑی جماعت نے اس کتاب کی تقریظ کی، مذکورہ تمام تقاریظ الــرد الــوافــر میں موجود ہیں، اس وقت مذکورہ کتاب سے مقتبس شدہ تقاریظ ایک ورقہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس میں حافظ ابن حجر، علامہ بلقینی، علامہ عینیؒ کی تقریظات شامل ہیں، جو تمام ہی مختصر ہیں۔ (دیکھیے: الــرد الــوافــر: ۱۵۷-۱۶۵)

شواہد کی چھان پھٹک سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں کتب علمیہ و تحقیقیہ پر لاتعداد تقاریظ کا رواج چل پڑا تھا، چنانچہ حافظ سخاویؒ نے الضوء اللامع، التبر المسبوك اور الذیل علی رفع الإصر میں اس کی مثالیں جا بجا ذکر کی ہیں اور الــجــواهــر والــدرر میں تو امام سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی ذی شان تقاریظ کو ذکر کرتے ہوئے مستقل باب کے تحت کافی لمبی تفصیلی فہرست فراہم کی ہے۔

تقریظ سے متعلق ایک فنی سوال اور اس کا جواب:

تقدیم کتاب کے لیے بہر حال یہ طے ہے کہ اس کی جگہ مبداء کتاب ہے اور اس کی بنیادی وجہ اس کا معنوی تقاضا ہے، چنانچہ اسلامی علوم و فنون سے متعلق تمام مشہور کتب میں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں مقدمہ کتاب کو مؤخر کیا گیا ہو، ہاں ایسا ضرور ہوا ہے کہ بعض اوقات مقدمہ کتاب کو اپنی علمی افادیت اور شان کی وجہ سے اصل کتاب سے علیحدہ کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں وہ مستقل کتاب کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مثلاً مقدمہ ابن خلدون، انہاء السکن مقدمہ اعلاء السنن المعروف بہ قواعد فی علوم الحدیث للشیخ ظفر احمد العثمانی، مقدمہ رد المختار المعروف ب المقدمۃ الشامیہ لابن عابدین الشامی، مقدمہ شرح الجامی لعبد الرحمٰن الجامی، مقدمہ بذل المجہود للعلامۃ خلیل احمد السہارنفوری، مقدمہ فتح الملہم المعروف بمبادء فی علوم الحدیث للعلامۃ شبیر احمد العثمانی، الھدی الساری مقدمہ فتح الباری للحافظ ابن حجر، مقدمہ تحفۃ الاحوذی للعلامۃ عبد الرحمٰن المبارکفوری، عوارف المنن مقدمہ

معارف السنن للعلامۃ یوسف البنوری، وغیرہ شامل ہیں، لیکن تقریظ کتاب سے متعلق یہ فنی سوال بہرحال پیدا ہوتا ہے کہ تقریظ کو مبداء کتاب سے ہٹا کر کیا کتاب کے آخر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقریظ کتاب کو عموماً مبدا کتب میں ذکر کیا جاتا ہے، متقدمین ومتاخرین کے ہاں یہ طرز عمل شائع وذائع ہے، البتہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ کو کبھی خاتمۃ الکتاب کے آس پاس بھی لگایا جاسکتا ہے، ذیل میں اس سے متعلق چند شواہد پیش خدمت ہیں:

۱..... فتح البر بشرح بلوغ الوطر من مصطلحات أهل الأثر لأبی محمد عباس بن محمد الشافعی المتوفی ۱۳۲۱ھ، اس کتاب کی تکمیل ۱۳۲۰ھ میں ہوئی، کتاب میں کل دس تقاریظ ہیں، ایک تقریظ کتاب کے صدر غلاف پر مثبت ہے، جب کہ بقیہ نو تقاریظ کے متعلق شیخ ابراہیم نور السیف فرماتے ہیں:

وختم فی آخره بتسعة تقاریظ لعلماء المسجد النبوی۔ (نخبۃ الفکر، دراسۃ عنھا ومنھجھا: ۱۶۷)

۲.....رسالة كشف الدجى عن وجه الربا، مؤلفه: علامه ظفر احمد عثمانیؒ، یہ رسالہ اعلاء السنن کتاب البیوع کا حصہ بن چکا ہے، رسالہ میں مسئلہ سود سے متعلق ایک نایاب تحقیق مذکور ہے اور آخر میں حضرت عثمانیؒ نے تائید حاصل کرنے کے لیے علماء عرب وعجم کی تقریبا اکیس تقاریظ کو ذکر کیا ہے۔ (اعلاء السنن، خاتمۃ الکتاب: ۱۴/۵۸۱-۶۰۹)

مذکورہ شواہد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تقریظ کو اول کتاب کے بجائے آخر کتاب میں بھی لگایا جاسکتا ہے۔

## کثرت تقاریظ سے متعلق علمائے عرب وعجم کا طریقہ کار:

کتاب کی ابتداء میں ایک کے بجائے لاتعداد تقاریظ سے متعلق علمائے عرب میں سے متقدمین کے ہاں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، بطور نمونہ چند ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ فتح الباری للحافظ ابن حجرؒ المتوفی ۸۵۲ھ، جو کہ صحیح البخاری کی بے نظیر شرح ہے، اس کے متعلق علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں: سمعت كثيرا من شيوخنا يقولون: شرح كتاب البخاری دين على الأمة۔ (مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۳) یعنی صحیح البخاری کی ایسی شرح جو کہ اس کے رجال اور فقہی دقائق کا صحیح حل پیش کر سکے، یہ بہرحال امت محمدیہ پر قرض ہے، لیکن اس قرض کی ادائیگی حافظ صاحبؒ کے ہاتھوں سرانجام پائی، چنانچہ حاجی خلیفہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ولعل ذلك الدين قُضي بشرح المحقق ابن حجر. (کشف الظنون: ۲، ۶۴۰)

فتح الباری کی تکمیل کے بعد حافظ صاحب نے جب کتاب کو علماء پر پیش کیا تو تقریبا چودہ علماء نے اس پر

تقریظ لکھی، دو کے سوا باقی بارہ تقاریظ نثر کے بجائے نظم میں ڈھلی ہوئی تھیں۔ (ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری: ۱۳/ ۵۴۸-۵۶۳)

۲۔السیرۃ المؤیدیۃ فی سیرۃ الملک المؤید،لمحمد بن ناھض الکردی الحلبی التوفی ۸۴۱ھ،اس کتاب پرتقریباسات علماء نے تقاریظ لکھی ہیں،(تفصیل کے لیے دیکھیں: الذیل علی رفع الإصر:۴۳۸،۴۴۰)

۳۔الردالوافر،جس کا ماقبل میں تفصیلی تذکرہ آچکا ہے،چھ مشاہیر نے اس کی تقریظ لکھی ہے،جن میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ،علامہ بلقینیؒ،علامہ تفہنیؒ،علامہ بساطیؒ اورعلامہ محب بن نصراللہ جیسی نابغہ روزگارعلمی شخصیات شامل ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھیے: الردالوافرعلی من زعم أن من قال بإن ابن تیمیہ شیخ الاسلام فھو کافر،۱۵۷ماقبلہ ومابعدہ،۱۶۵)

البتہ متاخرین کے طرزعمل میں اس بابت تبدیلی کے حوالہ سے تفصیل درج ذیل ہے:

۱......عصرحاضرمیں علماءعرب کے ہاں تقریظ کے حوالہ سے اہتمام تقریبامفقودہوتا جارہاہے،خصوصاً اس وقت عرب کے علمی طبقہ سے علوم الحدیث پرتحقیقات کرنے والے حضرات کی تحریرات میں تقریظ کی اصطلاح نظرنہیں آتی،البتہ کتاب اورصاحب کتاب کی علمی شان اوراہمیت کواجاگرکرنے کے لیے مقالہ جات کے مبادی میں مشرفین کے قیمتی مدحیہ تبصرے وافرمقدارمیں ضرورنظرآتے ہیں جویقیناً اصطلاح تقریظ کے لیے متبادل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲......عصرحاضرمیں علمائےعرب کاایک طبقہ وہ بھی ہے جوتقریظ کواہمیت دیتاہے،،لیکن تقریظ اورتقدیم میں فرق نہیں کرتا،چنانچہ ایسی بہت سی علمی تحقیقات اس وقت منصۂ شہودپرآچکی ہیں جس میں کلمات التقدیم یاالتقدیم یاتقدیم فلان جیسے عنوانات ملتے ہیں،حالانکہ ان عنوانات سے مقصودکتاب یاصاحب کتاب کی ستائش ہوتی ہے،تو گویاکہ ان حضرات کے ہاں تقدیم اورتقریظ میں کوئی فرق نہیں۔

۳......تیسراطبقہ ان حضرات کاہے جوتقریظ وتقدیم میں فرق کاقائل ہے،اس کی بھی کئی مثالیں ملتی ہیں، (بطورنظیردیکھیے: ا۔عمل أھل المدینہ،دکتوراحمدمحمدنورسیف،۲۔الحدیث والمحدثون،شیخ محمدمحمدابوزہرہ،وغیرھما)

۴......عصرحاضرمیں تقریظ کتاب کاایک جدیدطریقہ مختلف علمی مجلات میں کتاب پرہونے والے مدحیہ تبصرے بھی ہیں،البتہ یہ طریقہ کارعلماءعرب کے بجائےعجم میں کافی مقبول ہوتا جارہاہے،تبصرہ کے حوالہ سے عنقریب تفصیل آرہی ہے۔

۵......اسی طرح عصرحاضرمیں بعض علمائےعرب کے ہاں کتاب سے متعلق بعض مختصرمدحیہ کلمات کو

تقریظ اور تفصیلی کلمات کو تقدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا کہ ان کے ہاں تقریظ اور تقدیم میں معمولی فرق ہے۔

**تقریظ بصورت نظم اور نثر:**

کتاب سے متعلق ستائشی کلمات عموماً نثر پر مشتمل ہوتے ہیں، ماقبل میں ذکر کردہ بے شمار حوالہ جات اس کی روشن مثالیں ہیں، البتہ متقدمین کے ہاں نظمیہ تقریظ کی مثالیں بھی کافی ملتی ہیں، اس حوالہ سے درج ذیل شواہد ملاحظہ فرمائیں:

۱.....نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر للحافظ ابن حجرؒ المتوفی ۸۵۲ھ، یہ کتاب اصول حدیث میں سبر وتقسیم کے طرز پر لکھی جانے والی بے نظیر کتاب ہے، شیخ سراج الدین عمر بن محمد بن علی الجعبریؒ نے حافظؒ کو مخاطب کرتے ہوئے چار ابیات پر مشتمل تقریظی نظم لکھی، جس کی ابتداء اس طرح ہے:

أبدعت يا حبرفي كل الفنون

بما صنعت في العلم من بسط و مختصر

البتہ اس پر تذییل عصر حاضر میں استاد خالد زیات نے کی ہے، چنانچہ دکتور نورالدین عترؒ ان اشعار کے متعلق فرماتے ہیں: الأبيات الأربعة للشيخ سراج الدين يخاطب الحافظ ابن حجر و أكملها الأستاذ خالد الزيات حفظه الله. (مقدمۃ نزھۃ النظر، بتحقیق نورالدین عتر حفظہ اللہ)

۲.....فتح الباری کی تکمیل پر معاصرین کی تقریظات میں سے بارہ نظم میں تھیں، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے آچکا۔

۳.....موجودہ دور میں عربی ادب کا ذوق رکھنے والے اہل علم کے ہاں بھی شعر کی صورت میں تقاریظ کا رجحان پایا جاتا ہے، جن میں کراچی کے معروف ادبی ادیب مولانا نارزین شاہ صاحب کا نام نمایاں ہے۔

**تبصرہ:**

تبصرہ کسی چیز کی توضیح، تفصیل اور تصریح پر بولا جاتا ہے اور اصطلاحاً کسی شئی کی تخلیق سے متعلق اپنے خیالات پیش کرنا تبصرہ کہلاتا ہے۔ (فیروز اللغات: ۲۰۳)

واضح رہے کہ تبصرہ کرتے وقت کتاب کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قابل نقد پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اختصاراً تبصرہ سے متعلق چند اہم گذارشات پیش خدمت ہیں:

۱.....تبصرہ نگاری تنقید اور تقریظ کی درمیانی صورت ہے، کیونکہ تنقید میں صرف معائب اور تقریظ میں

صرف محاسن پیش نظر ہوتے ہیں جبکہ تبصرہ دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔

۲.....عصر حاضر میں تبصرہ نگاری ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر چکی ہے جو عموماً درج ذیل امور پر مشتمل ہوتی ہے:

(۱).....مصنف کا تعارف، ۲۔موضوع کتاب کی اہمیت۔

(۳).....کتاب کے قابل تعریف پہلوؤں کا تذکرہ۔

(۴).....باعث نقص اور قابل توجہ امور پر تنقیدی کلام۔

(۵).....گاہ گاہ تبصرہ نگار کتاب کے موضوع سے متعلق دیگر کتب کے مقابلے میں اس کے علمی اور تحقیقی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور موضوع سے متعلق جہاں جہاں تشنگی محسوس ہو اس کی توضیح بھی کر دیتا ہے، لیکن بعض تبصرہ نگاروں کے ہاں یہ طریقہ نہیں پایا جاتا۔

(۶).....کتاب کے صفحات اور حجم کا تذکرہ۔

(۷).....سن طباعت، مقام طباعت، محقق یا تخریج کرنے والے کے نام کے ساتھ ساتھ عموماً کتاب کی قیمت بھی ذکر کی جاتی ہے۔

(۸).....اور آخر میں افادہ عامہ یا خاصہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ اگر تبصرہ کسی کی سوانح پر ہو تو اس میں ادبیت، عنوانات، ربط مضامین، سلاست کلام اور مبالغہ آرائی یا عدم مبالغہ آرائی، ساتھ ساتھ یہ کہ سوانح میں بنیاد سند ہے یا حوالہ ہے اور کیا سوانح نگار نے بے فائدہ واقعات کو ذکر کیا ہے یا نہیں اور مزید یہ کہ ترتیب کتاب کس درجہ کی ہے، یہ تمام امور بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔

ان شرائط کی روشنی میں جو تبصرہ کیا جائے وہ تبصرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوگا، لیکن اگر صرف کتاب کے محاسن اور خوبیوں کو ہی گنوایا جائے اور قابل توجہ اور باعث نقص امور کی طرف التفات نہ کیا جائے تو اس صورت میں یہ اشتہار تو ہو سکتا ہے، تبصرہ کا اطلاق اس پر درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆